ریاستِ مدینہ کے تناظر میں اِسلامی معاشیات کی اَساسیات

(The Basic Fundamentals of the Islamic Economicsaccording to the State of Madina)

سید کفایت اللہ شاہ*

حافظ سعید الرحمن**

ABSTRACT:

This research article "The Basic Fundamentals of the Islamic Economics according to the State of Madina" will discuss the basis of the Economic system of Madina.

Economic" plays a vital and very important role in the society. It is a very important part of human life. Islam is a complete way of life. Islam has given complete economics guidance which is called "Islamic Economic System". Islamic economic system is not only in books, but it has many beautiful and practical examples in the history.The first example was the "State of Madina". In this state the Holy Prophet (ﷺ) made very clear and strong and fundamentals. The Holy Prophet (ﷺ) defined the sources of economic. He build up the "Finance" totally separate organization. In the State of Madina the Holy Prophet (ﷺ) made the Sahaba able to take part and participate in the Market and business of Madina. He build up "Islamic Economic System" alternate the Jeuses. In the short period of ten years the State of Madina became an economic center for the whole Arab. The Holy Prophet (ﷺ) has forbiddenall the unlawful means of economics like "Interest" etc.

Key words: Islamic Economic System, State of Madina, Interest, forbidden, guidance, Practical, fundamental.

* ریسرچ اسکالر، شعبۂ قرآن وسنہ، جامعہ کراچی

** پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ سیرت سٹڈیز، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

ریاستِ مدینہ کے تناظر میں" اسلامی معاشیات کی اَساسیات" پر بحث کرنے سے پہلے معاشیات کی مبادیات کی وضاحت ضروری ہے۔ معاشیات سے متعلق تین قسم کے الفاظ کا استعمال بہت عام ہے۔
۱۔ معاشیات ۲۔ اقتصادیات ۳۔ اکنامکس

معاشیات

معاش" عربی زبان کا لفظ ہے ۔ اِس کا مادہ " عیش" (ع،ی،ش) ہے، جس کے لغوی معنی "زندہ رہنے، گزران، خوراک اور رزق" کے ہیں۔ امام راغب اصفہانیؒ نے یوں تعریف بیان کی ہے۔

"العَيْشُ:الحياة المختصّة بالحيوان،وهوأخصّ من الحياة،لأنّ الحياة تقال في الحيوان، و في الباري تعالى ، و في الملك ، ويشتقّ منه المعِيشَةُ لما يُتَعَيَّشُ منه"[1](عیش اُس زندگی کو کہتے ہیں جو حیوانات کے ساتھ خاص ہے اور یہ لفظ "الحیاۃ" کے مقابلہ میں خاص ہے کیونکہ "الحیاۃ" کا لفظ حیوان ،باری تعالیٰ اور ملائکہ سب کے لئے استعمال ہوتا ہے اور" العیش "سے لفظ "المعیشۃ" ہے جس کے معنی ہیں سامانِ زیست، کھانے پینے کی وہ تمام چیزیں جن پر زندگی بسر کی جاتی ہے)۔

معاشیات" کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ انسان کی زندگی سے متعلقہ تمام سرگرمیاں معیشت کے زمرے میں آتی ہیں۔ علامہ ابن خلدونؒ یوں لکھتے ہیں۔ "المعاش هو عبارة عن ابتغاء الرزق و السعي في تحصيله" [2] (معاش رزق ڈھونڈنے اوراِسے حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کا نام ہے۔)

شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں۔ "وَهُوَالْحِكْمَة الباحثة عَن كَيْفيَّة إِقَامَةالمبادلات والمعاونات والإكساب على الارتفاق الثَّانِي"[3] (یہ علم انسان کی معاشی اشیاء کے تبادلے کے نظام، تعاونِ باہمی کے قیام اور روزی کمانے کے ذرائع سے بحث کرتا ہے)۔

---

1 الاصفہانی، ابو القاسم الحسین بن محمد، **المفردات فی غریب القرآن**، بیروت: دار القلم، 1412ھ، ص596۔

2 ابن خلدون، عبد الرحمن بن محمد، **مقدمہ ابن خلدون**، بیروت: المکتبۃ العلمیہ، ص215۔

3 الدہلوی، احمد بن عبد الرحیم، **حجۃ اللہ البالغۃ**، بیروت: دار الجیل، 2005ء، ج1 ص90۔

اقتصادیات

الاقتصاد، قصد سے ہے اور قصد، قصداً سے ہے، جس کے معنی ہیں کسی معاملے میں اعتدال اختیار کرنا۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اقتصاد کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> لغت کی زبان میں قصد و اقتصاد "میانہ روی اور اچھے چلن کا نام" ہے، مگر علمی اصطلاح میں ایسے وسائل کی دریافت کو کہتے ہیں جو دولت وثروت کے پیدا کرنے کے مناسب طریقے، اِس کے خرچ کے صحیح استعمال اور اس کی ہلاکت وبربادی کے حقیقی اسباب بتا سکیں، اِس لیے "علم الاقتصاد" اُس علم کا نام ہے، جو ان وسائل سے بحث کرتا ہے، اوران کے صحیح و غلط ہونے پر مطلع کرتا ہو(1)۔

جدید دور میں اقتصادیات سے مرادوہ تمام اُمور ہیں جو معاشیات اور مالیات سے متعلق ہو۔ بقول ڈاکٹر احمد شرباصی (علم الاقتصاد" ہر اُس شے سے بحث کرتا ہے جو کثرت مال وزر، رزق کمانے، کسی شے کا مالک ہونے اور خرچ کرنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اور علم الاقتصاد پیداوار اور مال بڑھانے کے مسائل، نفع حاصل کرنے اور خدمات فراہم کرنے کے مسائل اور غناوفقر کے مسائل پر بحث کرتا ہے(2)۔

اکنامکس

معاشیات کو انگریزی زبان میں "Economics" کہتے ہیں۔ اِس کا اصلی مادہ لاطینی لفظ "Oik Nomos" ہے، جس کے معنی "گھریلو ضابطہ اور طور طریقہ" کے ہیں۔ جرمن زبان میں اِس کو (PolitischeOekonomie) اور فرانسیسی زبان میں (Economic Politique) کہتے ہیں۔

پروفیسر رابنز نے Economics کی تعریف یوں بیان کی ہے۔

---

1 سیوہاروی، حفظ الرحمٰن، **اسلام کا اقتصادی نظام**، لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ص 17۔

2 شرباصی، احمد، ڈاکٹر، **المعجم الاقتصادی الاسلامی**، بیروت: دار الجیل، 1981ء، ص 36۔

"Economics is the science that studies human behavior as a relationship between ends and scarce means with alternative uses".[1]

معاشیات کے بنیادی مقاصد اسلام کی نقطۂ نظر میں

اسلام کے نزدیک "معاشیات" کے مقاصد مندرجہ ذیل ہیں۔

بنیادی حقوق / ضروریات کا حصول

دینِ اسلام یہ چاہتاہے کہ انسانی معاشرہ میں رہنے والے ہر شخص کی بنیادی ضروریات پوری ہوں۔ دینِ اسلام نے بنیادی انسانی حقوق کا تعین کیا ہے۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اِس پر بحث کی ہے کہ بنیادی انسانی حقوق میں فکر و نظریہ / عقیدہ اور رائے کی آزادی، جان، مال، عزت آبرو کی حفاظت، تعلیم و تربیت کا اہتمام، مکان کا بندوبست، علاج و معالجے کی سہولت اور شادی کا انتظام کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ اور ہر انسان کے بنیادی حقوق ہیں۔ حکومتِ وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ رعایا کے لئے ایسے یکساں مواقع پیدا کرے جن میں عوام اپنے بنیادی حقوق بلا تفریق رنگ نسل و مذہب کے حاصل کر سکے[2]۔

عدل و انصاف کا قیام

معاشی نظام کا دوسرا بنیادی مقصد عدل و انصاف کا قیام ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

{ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ}[3]("بیشک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل کرنے کا احسان کرنے کا، اور قرابت

---

1 Jane Jacobs, **Nature and Significance of Economic Science**. New York: Vintage Books. Page 78.

2 الدہلوی، **حجۃ اللہ البالغۃ**، ج1ص110۔

3 سورۃ النحل:90۔

داروں کو دینے کا، اور منع کرتا ہے بے حیائی سے، نامعقول باتوں سے اور سرکشی سے وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑ لو"۔)

دولت کی گردش

نظامِ معیشت کی بدولت انسانی معاشرہ میں دولت کی منصفانہ تقسیم ممکن ہو جاتی ہے، جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ {كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ}[1] (تاکہ تمھارے دولت مندوں کے ہاتھ میں ہی یہ مال گردش کرتا نہ رہ جائے۔)

حلال رزق کی کمائی

دین اسلام یہ چاہتا ہے کہ ہر شخص خود محنت کرکے حلال رزق کمالے۔ اِس کے لئے دینِ اسلام نے وضح طور پر حکم دیا ہے۔

{يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا}[2]

(اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ۔ مگر یہ کہ باہمی رضا مندی سے آپس میں لین دین ہو اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بلاشبہ اللہ تم پر نہایت مہربان ہے۔)

معاشیات کے بنیادی ستون

ماہرینِ معاشیات کے مطابق زراعت، تجارت اور صنعت و حرفت معیشت کے تین بنیادی ستون ہیں:

زراعت

زراعت انسانی زندگی کا سب سے اہم اور بنیادی جزو ہے۔ زراعت معاشیات کی بنیاد ہے۔ قرآن مجید نے زراعت سے متعلق رہنمائی کی ہے۔

---

1 سورۃ الحشر:7۔

2 سورۃ النساء:29۔

{أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ (63) أَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ}[1]("بھلا دیکھو! جو بیج تم بوتے ہو تو اس سے کھیتی تم اگاتے ہو یا اگانے والے ہم ہیں"۔)

{وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ}[2]("ہم نے تمہیں زمین میں ٹھکانا دیا اور تمہارے لیے اس میں سامان معیشت بنایا، مگر تم لوگ کم ہی شکر ادا کرتے ہو"۔)

اِسی طرح حضور نبی کریم ﷺ نے بھی زراعت کے مفید عمل کی اہمیت کو یوں بیان کیا ہے۔«اطْلُبُواالرِّزْقَ فِي خَفَايَا الْأَرْضِ»[3](رزق کو زمین کی پہنائیوں میں تلاش کرو۔)

ایک اور مقام پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔"مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا، أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا، فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ، أَوْ إِنْسَانٌ، أَوْ بَهِيمَةٌ، إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ"۔[4](جو مسلمان درخت بوتا ہے یا کھیتی کرتا ہے اور اس سے پرندے، انسان اور جانور اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں تو یہ عمل اُس کے حق میں صدقہ بنتا ہے یعنی اَجر و ثواب کا باعث ہوتا ہے۔)

اکثر فقہاءِ کرام نے "زراعت" کو تجارت اور صنعت سے افضل عمل قرار دیا ہے، جیسا کہ امام سرخسیؒ فرماتے ہیں۔

"ولهذا قدم بعض مشايخنا رحمهم الله الزراعة على التجارة لأنها أعم نفعا وأكثر صدقة وقد باشرها رسول الله صلى الله عليه وسلم على ما روينا أنه ازدرع بالجرف وفي الحديث رد على من يكره من المتعسفة الغرس والبناء"[5]

---

1 سورۃالواقعۃ:63،64۔

2 سورۃالاعراف:10۔

3 الھیثمی، ابوالحسن نور الدین علي بن ابي بکر، **مجمع الزوائد** (قاہرہ، مکتبۃ القدسی، 1414ھ، كِتَابُ الْبُيُوعِ، بَابُ الْكَسْبِ وَالتِّجَارَةِ وَمَحَبَّتِهَا وَالْحَثِّ عَلَى طَلَبِ الرِّزْقِ، حدیث نمبر6237،ج4ص63۔

4 صحیح مسلم، باب فضل الغرس والزرع، حدیث نمبر1553۔

5 السرخسی، محمد بن احمد بن ابی سھل، **المبسوط للسرخسی**، بیروت: دارالفکر، 1421ھ، ج2ص23۔

("اوران ہی روایات کے پیشِ نظر ہمارے مشائخ رحمھم اللہ "زراعت کے عمل"
کو تجارت سے افضل قرار دیتے ہیں اِس لیے کہ زراعت کا نفع عام ہے اور اِس کی
خیر کثیر ہے اور نبی کریم ﷺ کے ارشاد اور مبارک عمل میں اُن تنگ نظر
لوگوں کا رڈ ہے جو کاشتکاری اور تعمیر کو بُرا سمجھتے ہیں"۔)

مسلمانوں کی سب سے پہلی اسلامی ریاست کے قیام کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ایک صحابی حضرت سلمان فارسیؓ کی آزادی کے لئے کھجور کے 100 درخت لگائے۔اسی طرح آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے عجوہ کھجور کا درخت بھی لگایا جو کہ آپ ﷺ کا محبوب ترین پھل تھا۔

تجارت

معیشت کے ذرائع اور سائل میں "تجارت" دوسرا اہم وسیلہ ہے۔ تجارت ہی کے ذریعہ کسی بھی ملک کی معیشت ترقی کر سکتی ہے۔ اکیلا کوئی بھی ملک زندگی اور معیشت کی تمام ضروریات میں خود کفیل نہیں ہو سکتا۔اِس لیے ہر ملک کے لیے دوسرے ملک کے ساتھ تجارت کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔جیسا کہ امام جزریؒ فرماتے ہیں۔"فالبیع والشراء من أکبرالوسائل الباعثة علی العمل في هذه الحیاة الدنیا،وأجل أسباب الحضارة والعمران"[1](تجارت اِس دنیا میں معاشی وسائل میں سے سب سے اہم وسیلہ ہے اور تمدن کے اسباب میں سب سے بڑا سبب ہے۔)

تجارت کی ترغیب: اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر "تجارت" کی ترغیب بیان کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عرب کے جاہلیت کے دور کی تجارتی سرگرمیوں کو ذکر فرما کر اُن پر اپنا احسان جتلایا ہے۔

1 الجزری، عبد الرحمن بن محمد، **الفقه علی المذاهب الاربعه**، بیروت، دار لکتب العلمیہ، 1424ھ، ج2 ص141۔

{لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ (1) إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ (2) فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ (3) الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ (4)}[1](اس واسطے کہ مانوس کر رکھا قریش کو۔ مانوس کر رکھنا ان کو کوچ (تجارتی سفر) سے جاڑے کے اور گرمی کے۔ تو چاہیے بندگی کریں اس گھر کے رب کی۔ جس نے ان کو کھانا دیا بھوک میں، اور امن دیا خوف میں۔)

{وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا}[2](اور اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت کو حلال کیا ہے اور سودی کاروبار کو حرام کیا ہے۔)

{يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا}[3](اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ۔ مگر یہ کہ باہمی رضامندی سے آپس میں لین دین ہو اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بلاشبہ اللہ تم پر نہایت مہربان ہے۔)

اِسلام نے حلال رزق کمانے کو عبادت قرار دیا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے۔"طَلَبُ الْحَلَال فَرِيْضَة بَعْدِ الفَرِيْضَة "[4](فرائض (نماز، روزہ وغیرہ) کے بعد حلال کمائی حاصل کرنا بھی ایک فریضہ اور عبادت کا مقام اور حیثیت رکھتا ہے۔)

آپ ﷺ نبوت ملنے سے قبل حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے ساتھ شراکت کی بنیاد پر کام کیا کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن سائبؓ کے ساتھ بھی شراکت پر کاروبار فرمایا ہے۔ جیسا کہ وہ خود روایت کرتے ہیں:

---

1 سورۃ الایلاف:106۔

2 سورۃ البقرۃ:175۔

3 سورۃ النساء:29۔

4 ہندی، علاء الدین علي بن حسام الدین، **کنز العمال**، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، 1401ھ، کتاب البیوع من قسم الأقوال، الباب الأول: في الکسب، حدیث نمبر 9204، ج4 ص4۔

"عن السائب، قال: أتيت رَسُول اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فجعلوا يثنون علي، ويذكرونني، فقال رسول صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" أنا أعلمكم به "، قلت: صدقت بأبي أنت وأمي، كنت شريكك فنعم الشريك، لا تداري ولا تماري".[1]

(حضرت عبداللہ بن سائبؓ فرماتے ہیں کہ میں زمانۂ جاہلیت میں حضرت محمد ﷺ کا شریک تجارت تھا، میں جب مدینہ طیبہ حاضر ہوا، تو آپ ﷺ نے پوچھا۔ مجھے پہچانتے ہو؟ میں نے عرض کیا، کیوں نہیں۔ آپ ﷺ تو میرے بہت اچھے شریکِ تجارت تھے ،نہ کسی بات کو ٹالتے اور نہ کسی بات پر جھگڑا کرتے۔)

ایک مرتبہ کسی صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے اچھے ذریعۂ معاش کے بارے میں پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:"تسعة أعشارالرزق في التجارة، والعشر في المواشي"[2]**(رزق کا 9/10 حصہ تجارت میں ہے اور 10 واں حصہ مویشی چرانے میں ہے۔)**

خود حضور نبی کریم ﷺ نے کئی مرتبہ تجارتی سفر کیے۔ آپ ﷺ نے پہلا تجارتی سفر 13 سال کی عمر میں اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ شام کی طرف کیا۔ اِسی طرح 16 سال کی عمر میں شام کی طرف دوسرا تجارتی سفر کیا، اور تیسرا تجارتی سفر 25 سال کی عمر میں آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کا مال لے کر اُن کے غلام میسرہ کے ساتھ شام کی طرف کیا۔ بعض مفسرین نے یمن کی طرف چوتھے تجارتی سفر کو بھی تاریخ کی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ آپ ﷺ کے اِن تجارتی اسفار سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ایک بہترین، ماہر اور کامیاب تاجر و معیشت دان تھے۔

---

1 ابن اثیر، علي بن ابي الكرم محمد بن محمد، **اسد الغابہ**، بیروت: دار لکتب العلمیہ، 1415ھ، ج2 ص393۔

2 ہندی، **کنز العمال**، كتاب البيوع من قسم الأقوال، الفصل الثالث: في أنواع الكسب، **حدیث نمبر**:9342، ج4 ص30۔

اِسی طرح خلفاءِ راشدین نے بھی تجارت کا شعبہ اپنایا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کپڑوں کی تجارت کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ ریشم کی تجارت کیا کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ عرب کے رئیس التجار تھے، آپؓ سے بڑا تاجر نہ تو قریش میں کوئی تھا اور نہ ہی پورے عرب میں، جیسا کہ حضرت عثمانؓ خود فرماتے ہیں۔"وَاللهِ مَا آكُلُهُ مِنْ مَالِ الْمُسْلِمِينَ، وَلَكِنِّي آكُلُهُ مِنْ مَالِي، أَنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي كُنْتُ أَكْثَرَ قُرَيْشٍ مَالا، وَأَجَدَّهُمْ فِي التِّجَارَةِ، وَلَمْ أَزَلْ آكُلُ مِنَ الطَّعَامِ مَا لانَ مِنْهُ"[1] (خدا کی قسم! میں نے مسلمانوں کے مال سے نہیں کھایا، میں نے اپنے ہی مال سے کھایا ہے، آپ لوگ جانتے ہو کہ میں قریش میں سب سے کثیر المال تھا اور ان سب سے زیادہ تجارت میں خوش بخت اور کامیاب تھا۔)

عرب کے لوگ بری اور بحری دونوں قسم کی تجارت کیا کرتے تھے۔ سونا، چاندی، تانبا، موتی، ہار، جواہرات، خوشبو، مصالحہ جات، چمڑا، کھال، بھیڑ، بکری اور اونٹ وغیرہ برآمدات میں شامل ہوا کرتے تھے۔ اِس کے بدلے میں عرب کے درآمدات میں غلہ، اجناس، کپڑا، آرائش کی اشیاء، مشک، عود، کافور، صندل، ناریل، لونگ اور ہتھیار وغیرہ شامل تھے۔

تجارت کے اہم اُصول تجارت کے اہم اور بنیادی اُصولوں میں یہ ہے کہ تجارت باہمی رضامندی سے ہو، مجبوری کے تحت نہ ہو۔ باہمی تعاون کا ہونا ضروری ہے۔ اہلیت کا ہونا بھی ضروری ہے۔ پیمانہ پورا اور واضح ہو۔ جائز اور حلال کا کاروبار ہو۔

صنعت و حرفت

کسی بھی معاشی نظام کا تیسرا اہم ستون "صنعت و حرفت" شمار کیا جاتا ہے۔ تمدن اور معاشرتی زندگی کی ترقی کے پیچھے "صنعت و حرفت" کا بہت بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ صنعت و حرفت کا تجارت اور زراعت دونوں کے ساتھ گہرا ربط ہے۔ دوسرے معنوں میں معاشی نظام کے یہ تینوں ستون ایک دوسرے کے

1 الطبری، محمد بن جریر، **تاریخ الطبری**، بیروت: دار التراث، 1387ھ، ج4 ص401۔

ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ اللہ رب العزت نے صنعت کا بنیادی اور اہم عنصر "لوہا/ فولاد" کے نام سے باقاعدہ ایک سورۃ "الحدید" نازل کی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ "لوہے" کی اہمیت اور فوائد کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: {وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ}[1] (اور ہم نے لوہا نازل (پیدا) کیا، جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لیے اور بھی فائدے ہیں۔)

اسلام "صنعت و حرفت" کی فروغ چاہتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ {وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِنْ بَأْسِكُمْ}[2] (اور ہم نے اِس (لوہے) سے تمہارے لئے زرہ بنانی سکھائی تا کہ تمہاری لڑائی میں تمہاری حفاظت کرے۔) حضرت داؤد علیہ السلام کے اِس عمل کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک اور مقام پر ذکر کیا ہے۔

صنعت و حرفت کی فضیلت کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ ہے: «إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُؤْمِنَ الْمُحْتَرِفَ»۔[3] (اللہ تعالیٰ صنعت و حرفت کا پیشہ اختیار کرنے والے مسلمان کو پسند فرماتے ہیں۔) طبرانی میں روایت ہے۔ «إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُحْتَرِفَ»[4] (اللہ تعالیٰ صنعت و حرفت کا پیشہ اختیار کرنے والے شخص کو پسند فرماتے ہیں۔)

عرب کے لوگ چونکہ گلہ بانی پر گزارا کرتے تھے۔ اِس لئے جانوروں کے کھال وغیرہ کی دباغت کے کارخانے موجود تھے۔ یہ لوگ کھالوں کو دباغت کے بعد محفوظ کرکے برآمد کرتے تھے۔ اِس کے علاوہ وہاں کے لوگ گھروں کی سطح پر چھوٹی موٹی اشیاء مثلاً مٹی کے برتن، لوہے کے اوزار اور عام استعمال کی اشیاء تیار کرتے تھے۔ دوسری طرف مدینہ منورہ میں زراعت کی وجہ سے صنعت

---

1 سورۃ الحدید: 25۔

2 سورۃ الانبیاء: 80۔

3 المنذری، عبد العظیم بن عبد القوی، **الترغیب والترھیب**، بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1417ھ، ج2 ص335۔

4 الطبرانی، سلیمان بن احمد، **المعجم الکبیر**، قاہرہ: مکتبہ ابن تیمیہ، 1415ھ، حدیث نمبر 13200، ج12 ص308۔

کے مواقع زیادہ تھے۔ مدینہ میں شراب کشیدہ کرنے کے کارخانے، ہتھیار سازی کے کارخانے، خشت سازی، لکڑی کی صنعت، سونے چاندی کی کاریگری ترقی پر تھیں[1]۔ ہجرت کے بعد حضرات صحابہ کرامؓ نے بھی صنعت و حرفت کے پیشے اختیار کئے۔ خلیفہ بننے سے پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ کپڑے کا کاروبار کیا کرتے تھے، آپؓ کا مقامِ سنخ پر کپڑے کا اپنا کارخانہ اور گودام تھا۔ حضرت زبیرؓ بھی کپڑے کا کاروبار کرتے تھے[2]۔

معاشیات کے بنیادی ضابطے اور اُصول

احادیثِ نبوی ﷺ کی روشنی میں معیشت کے بنیادی اُصول مندرجہ ذیل ہیں۔

میانہ روی اور اعتدال

معیشت کے سلسلے میں آپ ﷺ نے سب سے بنیادی اور اہم اُصول یہ بتلایا، کہ معیشت میں فضول خرچی یا کنجوسی کی بجائے میانہ روی اکو اختیار کیا جائے، چاہے انفرادی معیشت ہو اجتماعی معاشی نظام ہو۔ اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا۔ "اَلِاقْتِصَادُ فِي النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِيشَةِ"[3] (خرچ میں اعتدال (میانہ روی) نصف معیشت ہے۔)

ایک اور مقام پر آپ ﷺ نے فرمایا۔ "مَاعَالَ مَنِ اقْتَصَدَ"[4] (جس نے (معیشت میں) میانہ روی اختیار کی، وہ محتاج نہیں ہو گا۔)

1 غفاری، نور محمد، ڈاکٹر، **نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی**، کراچی، ادارۃ الانوار، 2008ء، ص56۔

2 سیوہاروی، **اسلام کا اقتصادی نظام**، ص255۔

3 بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین، **شعب الایمان**، بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1440ھ، باب الاقتصاد في النفقة وتحريم أكل المال الباطل، حدیث نمبر6568، ج5 ص254۔

4 احمد بن حنبل، احمد بن محمد بن حنبل شیبانی، ابو عبد اللہ، **مسند احمد بن حنبل**، بیروت، عالم الکتب، 1998ء، حَدِيثُ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، حدیث نمبر4269، ج1 ص447۔

طلبِ حلال کا فریضہ

معیشت کے بارے میں آپ ﷺ نے دوسرا اہم اُصول یہ بتلایا ہے کہ حلال روزگار اور کمائی کی تلاش ہر انسان کی بنیادی ذمہ داری ہے، اگرچہ یہ ذمہ داری اولاً نظامِ حکومت کی ہے کہ وہ عوام الناس کے لئے روزگار کے مواقع پیدا کرے۔ اسی لئے آپ ﷺ نے دین کے بنیادی اور اہم فرائض کے بعد اِس کو فریضہ مقرر کیاہے۔«طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ»[1](رزقِ حلال کی تلاش فرض عبادت کے بعد (سب سے بڑا) فریضہ ہے۔)

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:"إذاصليتم الفجرفلاتنامواعن طلب أرزاقكم"[2](جب صبح کی نماز ادا کرلو تو اپنے رزق کی طلب سے غافل ہوکر سو نہ جاؤ، کیونکہ صبح کی نیند رزق کو روکتی ہے۔)ایک اور مقام پر ارشاد نبوی ﷺ ہے۔«طَلَبُ الْحَلَالِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ»[3](حلال کمائی ہر مسلمان پر واجب ہے۔)

محنت اور سرمایہ کا عادلانہ توازن

آیاتِ کریمہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معاشی نظام میں محنت کو بنیادی مقام حاصل ہے۔شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے محنت کی عظمت اور اہمیت وفضیلت کے بارے میں حجۃ اللہ البالغہ میں "باب ابتغاء الرزق" کے نام سے مستقل ایک باب لکھا ہے۔ جس میں آپؒ معاشی نظام میں محنت کی عظمت کو اجاگر فرماتے ہیں۔[4]

---

1 تبریزی، محمد بن عبد اللہ، ابو عبد اللہ، ولی الدین، **مشکاۃ المصابیح**، بیروت: المکتب الاسلامی، 1985ء، كِتَابُ الْبُيُوعِ، بَاب الْكَسْب وَطلب الْحَلَال، حدیث نمبر: 2781، ج2ص847۔

2 ہندی، **کنز العمال**، حدیث نمبر9299، 4ص21۔

3 الطبرانی، **المعجم الأوسط**، القاہرۃ: دار الحرمین، حدیث نمبر8610، ج8ص272۔

4 الدہلوی، **حجۃ اللہ البالغۃ**، ج2ص160۔

حضور نبی کریم ﷺ نے معیشت کے ایک اہم اصول محنت کے بارے میں فرمایا:«مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ، خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ، وَإِنَّ نَبِيَّ اللهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلاَمُ، كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ»[1] (بہترین کھانا وہ ہے جو انسان اپنے ہاتھ سے کما کر کھائے اور اللہ کے نبی حضرت داوٗدؑ اپنے ہاتھ سے کما کر کھایا کرتے تھے۔)

حضور نبی کریم ﷺ سے کسی نے پوچھا: یارسول اللہ! کون سی کمائی سب سے پاکیزہ ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:" عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهِ وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُورٍ "[2](آدمی کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور ہر جائز تجارت۔) ایک اور مقام پر ارشادِ نبوی ﷺ ہے:"رَحِمَ اللَّهُ عَبْدًا سَمْحًا إِذَا بَاعَ، سَمْحًا إِذَا اشْتَرَى، سَمْحًا إِذَا اقْتَضَى "[3](اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحم کرتا ہے جو بیچے تو نرمی سے بیچے، خریدے تو نرمی سے خریدے اور فیصلہ کرے تو نرمی سے کرے۔)

حق معیشت میں اجتماعیت اور مساوات

حضور نبی کریم ﷺ نے اجتماعی سوچ اپنانے کی ترغیب دی ہے، کہ معیشت میں دوسروں کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔ قرآن مجید کی رو سے حقِ معیشت سے مراد "اسباب اور وسائلِ معیشت" ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کُل انسانیت کے لیے اِس کائنات میں بہت سارے وسائلِ رزق پیدا کئے ہیں، اِن وسائل میں کل انسانیت کا حق شامل ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کچھ افراد مل کر اِن وسائلِ رزق پر زبردستی قبضہ کرلیں اور اللہ کی باقی مخلوق (اکثریتی) کو اُن وسائلِ رزق سے محروم کردے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی پیدائش کے ساتھ وعدہ کیا کہ ہر جاندار کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں

---

1 بخاری، محمد بن اسماعیل جعفی، ابو عبد اللہ، **الجامع الصحیح**، كِتَابُ البُيُوعِ، بَابُ كَسْبِ الرَّجُلِ وَعَمَلِهِ بِيَدِهِ، حدیث نمبر :2072، ج3 ص57۔

2 احمد بن حنبل، **مسند احمد**- حدیث نمبر 17265، ج4 ص141۔

3 ابن ماجہ، محمد بن یزید قزوینی، ابو عبد اللہ، **سنن ابن ماجہ**، دار الرسالۃ العالمہ، 2009ء، أَبْوَابُ التِّجَارَاتِ، بَابُ السَّمَاحَةِ فِي الْبَيْعِ، حدیث نمبر 2203، ج3 ص321۔

ہے۔{وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا}[1](اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق خدا کے ذمے ہے۔)

{وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَإِلَهٌ مَعَ اللَّهِ}[2](اور (کون) تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے (یہ سب کچھ خدا ہی کرتا ہے۔))

{هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا}[3](اللہ وہ ذات ہے جس نے زمین میں تم سب کے لئے چیزیں پیدا کیں۔)

اِن آیاتِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسبابِ معیشت ووسائلِ معیشت میں تمام انسانیت برابر ہے۔اِن وسائل سے فائدہ اُٹھانا ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔کسی ایک فرد / طبقہ کو اِن وسائل پر قبضہ کرکے باقی انسانیت کو اُن سے محروم کرنا جائز نہیں۔اور خاص کر آخری آیت کریمہ کے بارے میں شیخ الہندؒ یوں فرماتے ہیں۔

> "جملہ اشیائے عالم بدلیل فرمانِ واجب الاذعان {خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا} تمام بنی آدم کی مملوک معلوم ہوتی ہیں یعنی عرض خداوندی تمام اشیاء کی پیدائش سے رفع حوائج جملہ ناس (انسان) ہے اور کوئی شئے فی حد ذاتہ کسی کی مملوکِ خاص نہیں بلکہ ہر شئے اصل خلقت میں جملہ ناس میں مشترک ہے اور من وجہ سب کی مملوک ہے۔۔۔۔"۔[4]

1 سورۃ ہود:06۔

2 سورۃ النمل:64۔

3 سورۃ البقرۃ:29۔

4 شیخ الہند، محمود حسن، **ایضاح الادلہ**، دیوبند: کتب خانہ رحیمیہ، ص268۔

آپ ﷺ نے فرمایا: «طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الِاثْنَيْنِ، وَطَعَامُ الِاثْنَيْنِ يَكْفِي الْأَرْبَعَةَ، وَطَعَامُ الْأَرْبَعَةِ يَكْفِي الثَّمَانِيَةَ»[1] **(ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کے لئے کافی ہوتا ہے، دو آدمیوں کا کھانا چار کے لئے اور چار آدمیوں کا کھانا آٹھ آدمیوں کے لئے کافی ہوتا ہے۔) ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:** «مَنْ كَانَ عِنْدَهُ فَضْلُ ظَهْرٍ، فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لَا ظَهْرَ لَهُ، وَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ فَضْلُ زَادٍ، فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لَا زَادَ لَهُ، حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ لَا حَقَّ لِأَحَدٍ مِنَّا فِي الْفَضْلِ»[2] **(تم میں سے جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہے وہ اس کو لوٹادے جس کے پاس نہیں ہے، جس کے پاس ضرورت سے زائد سامان خورد ونوش ہے وہ اسے لوٹا دے جس کے پاس نہیں ہے، اسی طرح نبی اکرم ﷺ مختلف اصناف مال کا ذکر فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے سمجھا کہ ضرورت سے زائد کسی بھی شے میں ہمارا حق نہیں رہا۔)**

معیشت کے درجات میں فرق

معیشت اور رزق کے بنیادی وسائل میں تو تمام انسان برابر کے شریک ہیں لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر صلاحیتیں الگ الگ پیدا کی ہیں۔ کوئی انسان زیادہ قابل ہے اور کوئی کم صلاحیتوں کا مالک ہے۔ اِسی لیے اِن صلاحیتوں کی بنیاد پر درجاتِ معیشت میں فرق کا ہونا ایک فطری تقاضا ہے۔ یعنی یہ بات ضروری نہیں کہ رزق اور معیشت کے وسائل سب کے لیے ایک جیسے ہوں۔ اِن وسائل کا حصول اور پھر اِن وسائل رزق کو اپنے لیے قابل استعمال بنانا ہر انسان کی اپنی ذمہ داری ہے۔ تو صلاحیتوں میں فطری تفاوت اور فرق ہونے کی وجہ سے درجات میں بھی فرق رہے گا۔ لیکن یہ

---

1 مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری، ابوالحسن، **صحیح مسلم**، بیروت، دار احیاء التراث العربی، کتاب الْأَشْرِبَةِ، بَابُ فَضِيلَةِ الْمُوَاسَاةِ فِي الطَّعَامِ الْقَلِيلِ، وَأَنَّ طَعَامَ الِاثْنَيْنِ يَكْفِي الثَّلَاثَةَ وَنَحْوِ ذَلِكَ، **حدیث نمبر**:2059۔ ج3ص1603۔

2 سجستانی، ابوداؤد، سلیمان بن اشعث بن اسحاق ازدی، **سنن ابی داؤد**، كِتَاب الزَّكَاةِ، بَابٌ فِي حُقُوقِ الْمَالِ، **حدیث نمبر**:1663، ج2ص125۔

فرق اور تفاوت خلیج کی صورت اختیار نہ کرے کہ انسانیت کا طبقہ ایک تو آقا کی صورت اختیار کرے اور دوسرا طبقہ غلام بن جائے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے معاشرت اور معیشت سے متعلق تین درجات لکھے ہیں[1]:۱۔ رفاہیت ناقصہ، ۲۔ رفاہیت متوسطہ، ۳۔ رفاہیت بالغہ

اسلام میں رفاہیت ناقصہ اور رفاہیت بالغہ ممنوع ہے۔ چونکہ اِن کی وجہ سے انسانیت کا ایک طبقہ (اقلیت) پُر تعیش زندگی کا عادی بن جاتا ہے۔ جبکہ دوسرا طبقہ (اکثریت) بنیادی حقوق اور ضروریاتِ زندگی سے محروم ہو کر غربت کی لکیر سے نیچے کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے "درجاتِ معیشت" کو یوں بیان کیا ہے۔ {أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا}[2](ہم ان کے درمیان دنیوی زندگی میں اِن کے (اسباب) کی معیشت کو تقسیم کرتے ہیں اور ہم ہی ان میں سے بعض کو بعض پر (وسائل و دولت میں) درجات کی فوقیت دیتے ہیں کہ ان میں سے بعض (جو امیر ہیں) بعض (غریبوں) کا مذاق اڑائیں۔)

{وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا بِرَادِّي رِزْقِهِمْ عَلَى مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ أَفَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ}[3](اللہ تعالیٰ نے تم میں بعض کو بعض پر رزق میں برتری دی پھر ایسا نہیں ہوتا کہ جس کسی کو زیادہ روزی دی ہے وہ اپنی روزی کو اپنے زیردستوں پر لوٹادیں کہ اس روزی میں سب برابر ہو جائیں، پھر کیا یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کے صریح منکر نہیں ہو رہے۔)

---

1 الدہلوی، **حجۃ اللہ البالغۃ**، ج1 ص75۔

2 سورۃ الزخرف:32۔

3 سورۃ النحل:71۔

مثبت تجارتی سرگرمی کا فروغ اور فاسد نظامِ معیشت کا تدارک

دینِ اسلام نے انسانی معاشرہ میں ہمیشہ مثبت تجارتی سرگرمی کو اختیار کرنے اور فروغ دینے پر زور دیا ہے۔اسلام ہر منفی اور ناجائز تجارتی سرگرمی کی نفی کرتا ہے جو خلافِ فطرت ہو۔چنانچہ مدینہ میں حرمتِ خمر کے بعد شراب کے کاروبار پر پابندی لگادی گئی۔چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحِ لِلْمَرْءِ الصَّالِحِ[1](اچھامال اچھے آدمی کے لئے اچھی چیز ہے۔)

اسلام نے ہر اُس معاشی قانون اور ضابطہ پر پابندی لگادی ہے جس کی وجہ سے فاسد نظامِ معیشت وجود میں آئے یا ظلم پر مبنی نظام معیشت کو تقویت ملے،اور محنت اور سرمایہ میں توازن قائم نہ رہے۔اِس لیے دینِ اسلام نے سود اور جوا،احتکار واکتناز کی تمام اقسام کو ناجائز قرار دیاہے،تاکہ کسی بھی صورت میں انسانی معاشرے میں فاسد نظام معیشت وجود میں نہ آسکے،چنانچہ قرآن مجید میں بہت ساری آیاتِ کریمہ اِس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ محنت سرمایہ پر فوقیت کادرجہ رکھتی ہے۔

{وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا}[2](اللہ تعالیٰ نے خرید وفروخت کے معاملات کو حلال کیاہے اور سودی کاروبار کو حرام کردیاہے۔)

{يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ} [3] (بے شک شراب ،جُوا،بُت اور پانسے ناپاک ہیں ،شیطان کے کام ہیں،پس اِن سے بچو۔)

---

1 بخاری،الأدب المفرد،مصر:مکتبۃ الخانجي،2003ء،حدیث نمبر:299،ص144۔

2 سورۃ البقرۃ:275۔

3 سورۃ المائدۃ:90۔

{يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ}[1](اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل (ناجائز طریقہ) سے نہ کھاؤ، ہاں! اگر آپس کی رضامندی سے تجارت ہو تو اس طرح کھاسکتے ہو(گویا ہر شخص اپنے حصہ کے مطابق اپنا حق لے۔))

قناعت پسندی

حضور نبی اکرم ﷺ نے اس بات کی ترغیب دی ہے کہ انسان کے پاس جتنا مال ہو اُسی پر قناعت کرنی چاہئے۔ آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے:"طُوبَى لِمَنْ هُدِيَ إِلَى الإِسْلاَمِ،وَكَانَ عَيْشُهُ كَفَافًا وَقَنَعَ"[2] (قابل رشک ہے وہ شخص جس کو اسلام کی ہدایت نصیب ہوئی، اسے بقدر کفایت زندگی کے ذرائع ووسائل ملے اوراس نے اس پر قناعت کی۔)

غربت اور افلاس کا خاتمہ

انسان غربت، بھوک ،افلاس اور مجبوری کی وجہ سے اخلاق اورایمان کا بھی خیال نہیں رکھتا۔ اسی لئے حضور نبی کریم ﷺ نے محنت کرنے کا حکم دیا ہے اور بھوک افلاس سے بچنے کے بارے میں ارشاد فرمایا۔"كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يكون كُفْرًا"[3] (ممکن ہے غربت وافلاس(کارد عمل)کفر کی حد تک پہنچ جائے۔)

بنیادی معاشی ضروریات ہر انسان کا بنیادی حق ہے، بھوک، غربت وافلاس کی وجہ سے لوگ اپنے اخلاقیات، عزت نفس اور ایمان تک بیچنے سے نہیں رکتے۔ اسی لئے دین اسلام نے ہر شخص کو بنیادی معیشت کا حق دیا ہے۔

---

1 سورۃ النساء:29۔
2 احمد بن حنبل، **مسند احمد**، حدیث نمبر:23944، ج6ص19۔
3 بیہقی، **شعب الایمان**، حدیث نمبر6612، ج5ص267۔

وسائل کی ضیاع کی ممانعت

حضور نبی کریم ﷺ نے اسلامی معیشت کا اہم اصول یہ بھی بتلایا کہ جتنے وسائل دستیاب ہوں انہیں بروئے کار لاکر ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے: "إِنَّ اللَّهَ كَرِهَ لَكُمْ: قِيلَ وَقَالَ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ"(1) (اللہ تعالی نے قیل و قال، ضیاع مال اور کثرت سوال سے منع کیا ہے۔)

گداگری اور بھیک مانگنے کی ممانعت

اسلامی نظام معیشت کا ایک یہ بھی اُصول ہے کہ اِس نظام میں معاشرہ کے تمام افراد کے لئے روزگار کے مواقع فراہم کئے جاتے ہیں۔ کسی کو بھیک مانگنے کا اجازت نہیں ہوتی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ، حَتَّى يَأْتِيَ يَوْمَ القِيَامَةِ لَيْسَ فِي وَجْهِهِ مُزْعَةُ لَحْمٍ"(2) (آدمی ہمیشہ لوگوں سے مانگتا رہتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن جب وہ حاضر ہو گا تو اُس کے چہرے پر گوشت کا ٹکڑا نہ ہو گا (یعنی چہرہ خالی ہو گا۔))

دوسروں کے مال کی حفاظت کرنا

اسلام ہمیں دوسروں کے مال / ملکیت کی حفاظت و احترام کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اُس پر ناجائز طریقہ سے قبضہ نہیں کیا جائے۔ چنانچہ حدیث مبارک میں ہے: "كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ : دَمُهُ ، وَمَالُهُ، وَعِرْضُهُ "(3) (ایک مسلمان کا خون، مال اور آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔)

احتکار و اکتناز کی حرمت

اسلام نے معاشی نظام میں وہ تمام اصول و ضابطے ممنوع اور حرام قرار دیئے ہیں جن کے ذریعے "احتکار اور اکتناز" کی کوئی بھی شکل وجود میں آجائے۔ "احتکار" کا مطلب ہے وسائلِ رزق پر قبضہ کرنا۔

---

1 احمد بن حنبل، **مسند احمد**، حدیث نمبر 18179، ج4 ص249۔

2 بخاری، **صحیح بخاری**، كِتَابُ الزَّكَاةِ، بَابُ مَنْ سَأَلَ النَّاسَ تَكَثُّرًا، حدیث نمبر 1474، ج2 ص123۔

3 احمد بن حنبل، **مسند احمد**، حدیث نمبر 7727، ج2 ص277۔

یعنی دولت کا سمٹ کر ایک طبقہ میں محدود ہونا۔ اور فقہ کی اصطلاح میں "احتکار" سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص "غلہ" وغیرہ کو بہت بڑی مقدار میں اِس لئے خریدے کہ جب بازار میں اِس کی طلب بڑھ جائے گی تو اس کے نرخ مہنگے ہو جائیں گے۔ تو پھر عوام مہنگے داموں خریدنے پر مجبور ہو جائیں گے۔[1]

"اکتناز" کا مطلب ہے سرمایہ اور دولت کے خزانوں کا ایک طبقہ کے پاس جمع ہونا۔ "احتکار اور اکتناز" کی حرمت سے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صاف آیاتِ کریمہ نازل کی ہیں:

{وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (34) يَوْمَ يُحْمَى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ}[2] (اور جو لوگ خزانہ بنا کر رکھتے ہیں سونے اور چاندی کو۔ اور اُس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، سو اُن کو دردناک عذاب کی خوش خبری دے دو۔ جس روز کہ اس مال پر جہنم کی آگ دھکائی جائے گی۔ پھر اُس سے داغی جائیں گی اُن کی پیشانیاں، پہلو، اُن کے پیٹھ (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے واسطے گاڑ رکھا تھا اور چکھو مزہ اپنے گاڑنے کا۔)

{كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ}[3] (تاکہ ایسا نہ ہو کہ مال و دولت صرف دولت مندوں میں محدود ہو کر رہ جائے۔)

حضور نبی کریم ﷺ نے بھی "احتکار" کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَحْتَكِرُ إِلَّا خَاطِئٌ»[4] (احتکار نہیں کرتا مگر گناہ گار۔)

---

1 سیوہاروی، **اسلام کا اقتصادی نظام**، ص262۔

2 سورۃ التوبۃ:34، 35۔

3 سورۃ الحشر:7۔

4 مسلم، **صحیح مسلم**، كِتَابُ الْمُسَاقَاةِ، بَابُ تَحْرِيمِ الِاحْتِكَارِ فِي الْأَقْوَاتِ، حدیث نمبر1605، ج3ص1228۔

"المحتكر ملعون"[1] (ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے۔)

اِسی لیے جمہور علماء کا مؤقف یہی ہے کہ کھانے پینے کے جتنے بھی بنیادی وسائل ہیں اُن میں کسی بھی صورت میں ذخیرہ اندوزی جائز نہیں ہے۔ چونکہ اِس سے براہِ راست دوسرے انسان متاثر ہوتے ہیں۔ علامہ ابن کثیرؒ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کے مؤقف کو یوں نقل کیا ہے۔"كان من مذهب أبي ذر تحريم ادخار ما زاد على نفقة العيال وكان يفتي بذلك ويحثهم عليه ويأمرهم به"[2] (حضرت ابوذر غفاریؓ کا مذہب یہ تھا کہ اہل وعیال کے نفقہ سے زیادہ روپیہ (سرمایہ) جمع رکھنا حرام ہے، وہ اِسی کا فتویٰ دیتے، اِسی کی تبلیغ کرتے، اور اِسی کا سب کو حکم دیتے تھے۔)

دور جاہلیت کا معاشی نظام

ریاستِ مدینہ کے معاشی نظام کے لئے دورِ جاہلیت کے اجتماعی نظام کو سمجھنا ضروری ہے۔

دورِ جاہلیت کا اجتماعی نظام

دورِ رسالت کے معاشی نظام کو سمجھنے کے لئے اُس دور کے اجتماعی حالات کا سمجھنا ضروری ہے۔ یہاں پر سب سے پہلے عرب کی اجتماعی حالات کو بیان کرنے کے بعد ریاستِ مدینہ کے معاشی نظام کو بیان کیا جائے گا۔ حضور نبی کریم ﷺ جس زمانے میں تشریف لائے اُس وقت پوری دنیا دو عالمی طاقتوں میں تقسیم تھی، روم اور فارس (ایران)۔ پوری دنیا دو حصوں میں تقسیم تھی۔ اِن دونوں طاقتوں کے درمیان عرب کا ایک ایسا خطہ تھا جو آزاد تھا۔ یہاں پر قبائلی نظام تھا۔ عرب میں مختلف قبائل تھے۔ ہر قبیلے کا اپنا سردار ہوتا تھا جو اُس قبیلے کے معاملات کو دیکھتا تھا۔ عرب کے اِن قبائل میں "قریش" کا ایک بڑا قبیلہ تھا جو کہ تقریباً بارہ مختلف چھوٹے قبیلوں / شاخوں پر مشتمل تھا۔ قریش کی حیثیت نہ صرف عرب میں

---

1 ہندی، **کنز العمال**، كتاب البيوع من قسم الأقوال، الباب الثالث: في الاحتكار والتسعير، حدیث نمبر 9722، ج4 ص98۔

2 ابن کثیر، اسماعیل بن عمر بن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، بیروت، دار الفکر، 1414ھ، ج2 ص429۔

بلکہ پوری دنیا میں مسلم تھی۔ اُس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ قریش دراَصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کے گھر یعنی "خانہ کعبہ" کے مجاور بھی تھے جس کی وجہ سے عرب کے علاوہ باقی دنیا کے لوگ بھی قریش کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

عرب کے اُس معاشرے میں اللہ تعالیٰ نے قریش کو ایک امتیازی شان دی تھی چونکہ اسی قریش کے لوگوں نے بعد میں اسلام قبول کر کے پوری دُنیا میں اسلام کو پھیلا کر غالب بھی کرنا تھا۔ اِس لئے قریش کی سردارانہ حیثیت پورے عرب میں مسلم تھی۔ چنانچہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ لکھتے ہیں۔

> "مکہ کے قریش کے بارے میں یہ سمجھنا کہ وہ عرب کے دیگر بدو قبائل کی طرح ایک قبیلہ تھا، صحیح نہیں، صحرائی وبدوی زندگی اور اس کے لوازمات وخصائل جو دوسرے بدوی قبائل میں موجود تھے قریش اِن سے بہرہ وَر توضرور تھے، لیکن عرب کے بدوی ذہنیت کا نمونہ نہ تھے، قریش کی اپنی خاص روایات تھیں اور قُصی کے زمانے سے مکہ کی اجتماعی اور سیاسی زندگی میں ایک نظم چلا آرہا تھا، نیز تجارتی قافلوں کی وجہ سے قریش کو ہمسایہ ملکوں میں آنے جانے کا موقع ملتا تھا اور حج اور عکاظ کے میلے کے موقعوں پر عرب قبائل سے بھی ان کے راہ رسم پیدا ہو جاتے تھے۔ یہ اسباب تھے جن کی وجہ سے قریش ایک طرف مشرق قریب کے تمدنی سرمایہ اور ذہنی روایات سے واقف تھے اور دوسری طرف قبائل کی بدویانہ خصائل سے بھی نابلد نہ تھے"۔[1]

قریش کے متعدد ذیلی قبائل تھے۔ بعض مؤرخین نے 25 تک شاخیں لکھی ہیں۔ شاہ معین الدین احمد ندوی نے قریش کے 10 ذیلی شاخوں کا ذکر کیا ہے، جن میں مشہور قبائل درج ذیل ہیں۔

بنوہاشم بنوامیہ بنوعباس بنونوفل بنوحارث بنواسد بنوعبدالدار
بنومخزوم بنوتیم / تمیم بنوعدی بنوعبدمناف بنوسہم

1 سندھی، عبید اللہ، **شعور وآگہی**، لاہور، رحیمیہ مطبوعات، 2009ء، ص 105۔

اِن قبائل نے مکہ شہر اور آس پاس کا اجتماعی نظام آپس میں تقسیم کیا ہوا تھا، ذمہ داریوں کے عہدے ان ہی شاخوں میں بٹے ہوئے تھے، مشہور قبائل کے حوالے درج ذیل اہم ذمہ داریاں تھیں۔

سدانہ یعنی خانہ کعبہ کی خدمت اور حفاظت کی ذمہ داری۔ یہ عہدہ بنی ہاشم کے خاندان کے پاس تھا اور نبی کریم اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے زمانہ میں آپ ﷺ کے دادا عبد المطلب کے پاس یہ عہدہ تھا، اسی طرح خانہ کعبہ کی کنجی بھی اسی قبیلے کے پاس تھی اور یہی لوگوں کو اس کی زیارت کراتا تھا۔

سقایہ یعنی پانی کا انتظام کرنا۔ مکہ میں پانی کی قلت ہوا کرتی تھی اور خاص کر حج کے موسم میں زائرین کے جمع ہو جانے کی وجہ سے پانی کے خاص انتظام کی ضرورت پڑتی تھی۔ سقایہ کی ذمہ داری بھی بنی ہاشم اور بنو عبد مناف کے پاس تھی۔

رفادہ زائرین خانہ کعبہ کے زائرین کی مہمان نوازی کے لیے قریش کے تمام قبائل حسبِ استطاعت چندہ ادا کرتے تھے، اور پھر اس چندہ سے غریب زائرین کے کھانے پینے کا انتظام کرتے تھے۔ یہ خدمت پہلے بنی نوفل کے پاس تھی، پھر بنی ہاشم کے پاس منتقل ہوئی۔

عقاب یہ قریش کے قومی جھنڈے / عَلم کا نام تھا جو کہ جنگ اور لڑائی کے زمانے میں لہرایا جاتا تھا۔ یہ جھنڈا عموماً بنوامیہ کے پاس ہوتا تھا مگر اتفاق رائے سے اگر کوئی معزز شخص جھنڈا اُٹھانے کے لیے تجویز کیا جاتا تو اُس کے حوالے کیا جاتا۔

دارالندوہ یہ مکہ معظمہ کی مشورہ گاہ تھی۔ قریش کے ذیلی قبائل اہم اُمور کے بارے میں مشورہ کرنے کے لیے یہاں جمع ہوتے تھے، یہیں جنگ و صلح اور دوسرے بڑے بڑے معاملات کے فیصلے ہوا کرتے تھے۔ قریش کی خوشی اور شادیوں کے پروگرام بھی یہاں پر ہوا کرتے تھے۔ دارالندوہ کا انتظام بنی عبد الدار کے پاس تھا۔[1]

---

1 ہیکل، محمد حسین، **ابو بکر صدیق**، لاہور: طاہر سنز، ص34۔

قیادہ اس کا مطلب ہے قافلہ کی راہنمائی کرنا، جس شخص کے پاس یہ ذمہ داری ہوتی تھی اُس سے اہم امور اور معاملات میں مشورہ لیا جاتا تھا۔ یہ ذمہ داری اور منصب بنی اَسد کے پاس تھا۔

قبہ جب مکہ والے کسی جنگ یا لڑائی کے لیے نکلنے کا ارادہ کرتے تھے تو ایک بڑا خیمہ نصب کیا جاتا تھا اور اُس خیمہ میں لڑائی کے لئے سازو سامان کو جمع کیا جاتا تھا۔ یہ ذمہ داری قریش کے کسی بھی خاندان کے حوالے کی جاتی تھی۔

حکومہ اس کا مطلب ہے آپس کے لڑائی جھگڑوں کا فیصلہ کرنا۔

سفارہ اس کا مطلب ہے سفارت کاری۔ قریش جب کسی قبیلہ یا ملک کے ساتھ مذاکرات کرتے تھے تو اِس ذمہ داری سے متعلق ایک سمجھ دار شخص کا انتخاب کیا جاتا۔ یہ ذمہ داری بنو امیہ کے پاس ہوا کرتی تھی۔

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ معلوم ہو گیا کہ عرب کے ہاں ایک باقاعدہ منظم اجتماعی نظام تھا، سارے عرب میں قریش کو ایک خاص مقام حاصل تھا، سب سے زیادہ معزز قبیلہ تھا۔ پھر قریش میں بھی بنی ہاشم کا خاندان سب سے زیادہ ممتاز تھا کیونکہ اکثر بڑے بڑے عہدا نہی سے متعلق تھے۔

حضور نبی کریم ﷺ جب تشریف لائے تو آپ ﷺ نے بھی عرب کے اُس معاشرے میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ آپ ﷺ نے زندگی کے ہر شعبے میں مثبت کردار ادا کیا، چاہے زمانہ جنگ ہو مثلاً حربِ فُجار، یا زمانہ اَمن ہو جیسا خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد حجرِ اَسود کی تنصیب کا معاملہ ہو، آپ ﷺ کا کردار نمایاں طور پر ہمیں معاہدہ "حلف الفضول" میں نظر آتا ہے۔(1)

دورِ جاہلیت (مکی دور) کے معاشی نظام کی اَساسیات

عرب کی معاشی سرگرمیاں

جزیرۃ العرب کی وادیاں غیر آباد اور بے آب و گیاہ تھیں۔ یہاں پر کسی قسم کی زراعت اور کھیتی باڑی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ جس کی وجہ سے انسانی آبادی بھی بہت کم تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم

1 ندوی، معین الدین احمد، شاہ، **تاریخ اسلام**، لاہور: مکتبہ اسلامیہ 2013ء، ج1 ص13۔

علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے شیر خوار بچے حضرت اسماعیل کو والدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام سمیت مکہ کے غیر آباد وادی میں چھوڑ دو۔ حضرت ابرہیم علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی اور خود واپس شام چلے گئے۔ شام جاتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام نے اللہ سے یہ دعا کی:

{رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ }[1] (اے پروردگار میں نے اپنی اولاد کو میدان (مکہ) میں جہاں کھیتی نہیں۔ تیرے عزت (وادب) والے گھر کے پاس لابسائی ہے۔ اے پروردگار! تاکہ یہ نماز پڑھیں تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ ان کی طرف جھکے رہیں اور ان کو پھلوں سے روزی دے تاکہ (تیرا) شکر کریں۔)

اِس دُعا میں حضرت ابرہیم علیہ السلام نے مکہ کی وادی کو "وادی غیر ذی زرع" کہا ہے۔ (جس کے معنی ہے بنجر اور چٹیل)۔ دوسری طرف اِس دعا پر اگر غور کیا جائے تو ابرہیم علیہ السلام کو بھی یہ معلوم تھا کہ انسان کا زراعت اور معیشت کے بغیر رہنا اور زندگی گزارنا ناممکن ہے۔ اِس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ رب العزت سے اپنی اولاد کے لئے وسائلِ زراعت کی پیدائش اور بندوبست کی دعا کی۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اِس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> "حضرت ابراہیم علیہ السلام گاہے بگاہے ملک شام سے تشریف لایا کرتے تھے۔ اور اس شہر اور شہر کے باشندوں کے لئے دعا فرماتے، کہ خداوندا! میں نے اپنی ایک اولاد کو اس بنجر اور چٹیل آبادی میں تیرے حکم سے تیرے معظم و محترم گھر کے پاس لا کر بسایا ہے تاکہ یہ اور اس کی نسل تیرا اور تیرے گھر کا حق ادا کریں تو اپنے فضل سے کچھ لوگوں کے دل ادھر متوجہ کر دے کہ وہ یہاں آئیں جس سے تیری عبادت ہو اور شہر کی رونق بڑھے، نیز ان کی روزی اور دلجمعی کے لئے غیب

---

1 سورۃ ابراہیم:37۔

سے ایسا سامان فرمادے کہ (غلہ اور پانی جو ضروریات زندگی ہیں ان سے گزر کر) عمدہ میوے اور پھلوں کی یہاں افراط ہو جائے تاکہ یہ لوگ اطمینان قلب کے ساتھ تیری عبادت اور شکر گزاری میں لگے رہیں"۔[1]

گویا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد اور نسل کے لئے وسائلِ معیشت وزراعت کی دعا کی تھی، جو کہ قبول ہو گئی اور اللہ تعالیٰ وہاں پر زم زم کے پانی کا چشمہ جاری کیا۔ جس کی وجہ سے آس پاس کا علاقہ آباد ہو گیا اور قبیلہ بنو جرہم کے لوگ وہاں پر آباد ہو گئے اور یوں مکہ مکرمہ کا شہر بسنا شروع ہو گیا۔

شروع میں عرب کی معاشی حالت بھی اجتماعی حالت کی طرح اَبتر تھی۔ صفی الرحمٰن مبارک پوریؒ لکھتے ہیں:

"اقتصادی حالت اجتماعی حالت کے تابع تھی، اِس کا اندازہ عرب کے ذرائع معاش پر نظر ڈالنے سے ہو سکتا ہے کہ تجارت ہی اُن کے نزدیک ضروریاتِ زندگی حاصل کرنے کا سب سے اہم ذریعہ تھی۔۔۔ جہاں تک صنعتوں کا معاملہ ہے تو عرب اِس میدان میں ساری دُنیا سے پیچھے تھے۔ کپڑے کی بُنائی اور چمڑے کی دباغت وغیرہ کی شکل میں جو چند صنعتیں پائی بھی جاتی تھیں وہ زیادہ تر یمن، حیرہ اور شام کے متصل علاقوں میں تھیں۔ البتہ اندرونِ عرب کھیتی باڑی اور گلہ بانی کا کسی قدر رواج تھا"[2]۔

نبی کریم ﷺ کی معاشی سرگرمیاں

حضور نبی کریم ﷺ بچپن ہی میں حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس تقریباً 5 سال تک رہے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ ان دنوں میں ہمارے قبیلہ بنی سعد کی زمینیں وغیرہ غیر آباد اور خشک تھیں۔ بکریوں کی چراگاہیں بھی خشک ہونے کی وجہ سے بکریوں میں دودھ نہ ہونے کے برابر تھا۔ لیکن

1 عثمانی، شبیر احمد، علامہ، **تفسیر عثمانی**، کراچی، مکتبۃ البشریٰ، 2015ء، سورۃ ابراہیم، آیت نمبر 37، ج1 ص564۔

2 مبارک پوری، صفی الرحمٰن، **الرحیق المختوم**، لاہور، المکتبۃ السلفیہ، 2000ء، ص71۔

جب حضرت حلیمہ سعدیہ نے حضرت محمد ﷺ کو گود لیا تو آپ فرماتی ہیں کہ اُسی دن سے ہمارے گھر اور پورے قبیلہ کی بکریوں، جانوروں، گلہ بانی اور زراعت میں برکت پیدا ہو گئی[1]۔

حضور نبی کریم ﷺ نے اسی زمانے میں اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں چرائیں۔

آپ ﷺ نے اپنے دور میں معاشی اور معاشرتی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ معاشی سرگرمیوں کے سلسلے میں آپ ﷺ نے بکریوں کو چَرانے سے لے کر شام، بحرین اور یمن کی طرف تجارتی سفر بھی کیئے۔

بکریاں چرانا

اِس کے علاوہ آپ ﷺ نے بکریاں بھی چرائیں جو کہ اُس زمانے میں عرب کے نظامِ معیشت کا اہم حصہ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"ما بَعثَ الله نبياً إلاَّ رَعَى الغَنَمَ". فقالَ أصحابُهُ: وأنتَ؟ فقال:"نَعَمْ، كُنْتُ أرعاها على قَرَارِيطَ لأهلِ مكّةَ"[2](نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ نے جو بھی نبی بھیجا، اُس نے بکریاں ضرور چرائیں۔ صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ ﷺ نے بھی بکریاں چرائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! میں بھی مکہ والوں کی بکریاں قراریط پر چراتا تھا۔)

«بُعِثَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ رَاعِي غَنَمٍ، وَبُعِثَ دَاوُدُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ رَاعِي غَنَمٍ، وَبُعِثْتُ وَأَنَا أَرْعَى غَنَمَ أَهْلِي بِأَجْيَادٍ»[3](موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے وہ بھی بکریاں چرایا کرتے تھے، داوٗد علیہ السلام مبعوث ہوئے وہ بھی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ میں مبعوث ہوا، میں اجیاد میں اپنے لوگوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔)

---

1 ابن سعد، ابوعبداللہ محمد بن سعد، **الطبقات الکبری**، بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1410ھ، ج1ص90۔

2 بخاری، **صحیح بخاری**، كِتَابُ الإِجَارَةِ، بَابُ رَعْيِ الغَنَمِ عَلَى قَرَارِيطَ، **حدیث نمبر** 2262، ج3ص88۔

3 ابن سعد، **الطبقات الکبری**، ج1ص101۔

پہلا تجارتی سفر

آپ ﷺ نے پہلا تجارتی سفر 13 سال کی عمر میں مُلک شام کی طرف کیا، جیسا کہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ لکھتے ہیں۔ "جب عمر مبارک تیرہ (مطابق 582ء) سال کو پہنچی تو آپ ﷺ نے ابو طالب (چچا) کے ساتھ شام کا سفر کیا۔ یہ پہلا سفر تھا جو اپنے چچا کے ساتھ آپ نے اختیار کیا"۔[1]

دوسرا تجارتی سفر

حضور نبی کریم ﷺ کے دوسرے تجارتی سفر کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض مؤرخین جیسے علامہ واقدیؒ نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے سولہ سال کی عمر میں یمن کا تجارتی سفر کیا۔ پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری لکھتے ہیں "آپ ﷺ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا سامانِ تجارت لے کے جرش (یمن) دوبار تشریف لے گئے۔ علامہ ذہبیؒ نے اِس کی تصدیق کی ہے"۔[2] اکثر مؤرخین نے اِس بات کو رد کیا ہے یا پھر بالکل سیرت کی کتابوں میں ذکر ہی نہیں کیا ہے۔

تیسرا تجارتی سفر

آپ ﷺ نے تیسرا تجارتی سفر بھی ملک شام کی طرف کیا، اُس وقت آپ ﷺ کی عمر 25 سال تھی۔ چنانچہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ لکھتے ہیں۔ "پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک جب پچیس سال کی ہوئی تو آپ ﷺ نے دوبارہ شام کے سفر کا قصد کیا۔ (595ء) جس کا مطلب یہ تھا کی ابو طالب بوجہ کثیر العیال اور قلیل المال ہونے کے سخت پریشان تھے، ابو طالب کو معلوم ہوا کہ خدیجہ بنت خویلد کا ارادہ ہے کہ سامانِ تجارت دے کر اور منافع میں نصف کا شریک بنا کر کسی کو شام بھیجے، ابو طالب نے اِس موقع کو غنیمت جانا، اور نبی کریم ﷺ سے ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے بخوشی اِس کو قبول کیا۔ خدیجہ رضی اللہ عنہ جو کہ عرب کے معزز خاندان کی تعلیم یافتہ خاتون تھیں، آپ ﷺ کو اپنا مالِ تجارت

---

1 سیوہاروی، حفظ الرحمٰن، **نور البصر فی سیرۃ خیر البشر**، لاہور: رحیمیہ مطبوعات، 2011ء، ص72۔

2 غفاری، **نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی**، ص86۔

حوالہ کیا اور اپنے غلام میسرہ کو بھی ساتھ کر دیا۔ اِس سفر میں بھی آپ ﷺ کی ملاقات ایک راہب سے ہوئی جس کا نام "نسطورا" تھا، اور اُس نے بھی "بحیرا (راہب)" کی طرح آپ ﷺ کے متعلق کچھ پیشین گوئیاں کیں۔ آپ ﷺ چند روز شام میں قیام فرمایا اور بیش اَز بیش نفع کے ساتھ مال کو فروخت کر کے مکہ واپس تشریف لائے"۔ (1)

اُس زمانے میں معیشت کے بنیادی ذرائع میں سے تجارت اور زراعت سرِفہرست تھے، حضور نبی کریم ﷺ نے اِن دونوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ ﷺ نے کامیاب تاجر کا نمونہ پیش کر دیا۔

چوتھا تجارتی سفر

آپ ﷺ نے ایک اور تجارتی سفر بحرین کی طرف بھی فرمایا۔ غالباً آپ ﷺ نے اِس تجارتی سفر میں حضرت خدیجہؓ کا سامان لے کر بحرین جا کر "دبا" کے بین الاقوامی تجارتی میلہ میں شرکت کی تھی۔

قریش کے نبی کریم ﷺ اور بنو ہاشم کے ساتھ معاشرتی بائیکاٹ کے معاشی اَثرات

7 نبوی میں قریش کے تمام قبائل نے مل کر حضور نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے ہمنوا بنو ہاشم کا معاشرتی بائیکاٹ کیا۔ مؤرخین کے نزدیک یہ معاشرتی بائیکاٹ کے ساتھ ساتھ "معاشی بائیکاٹ" تھا۔ اِس معاہدہ کی وجہ سے آپ ﷺ بنو ہاشم سمیت مکہ کی پہاڑیوں کے درمیان "خیف بنی کنانہ" میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ قریش کے سرداروں نے ایک عہد نامہ لکھا کہ محمد ﷺ اور بنو ہاشم کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات رکھنا ممنوع ہے۔ شادی بیاہ، خرید و فروخت، خوشی و غم میں شرکت، کاروبار وغیرہ ہر قسم کے لین دین پر پابندی لگا دی۔ مؤرخین نے چند الفاظ کے اختلاف کے ساتھ اِس کو نقل کیا

---

1 سیوہاروی، **نور البصر فی سیرۃ خیر البشر**، ص75۔

ہے۔ معاہدہ کے الفاظ تقریباً تمام کتبِ تاریخ میں ملتے ہیں۔ "بنو ہاشم سے نہ کوئی میل جول کرے گا، نہ اُن کے ہاتھ خرید و فروخت کرے گا، نہ اُن کے پاس کھانے پینے کا سامان دیا جائے گا"۔[1]

اہل مکہ اور باہر کے تمام قبائل کو اِس معاہدہ کی پاسداری کا پابند بنا دیا گیا۔ یہ معاہدہ لکھ کر خانہ کعبہ میں آویزاں کیا گیا۔ تین سال تک نبی کریم ﷺ اور بنی ہاشم نے دین کی خاطر اِس معاہدے کے ظلم و ستم پر مبنی بُرے اثرات برداشت کیئے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کی رحمت نے دیمک جیسے کمزور کیڑے کو حکم دیا جس نے "باسمک اللھم" اور "محمد" کے بابرکت ناموں کے علاوہ معاہدہ کا سارا چمڑا کھالیا اور اِس طریقہ سے اللہ تعالیٰ نے اِس معاہدہ کو ختم کرنے کا انتظام کیا۔[2]

دورِ جاہلیت میں رائج تجارتی شکلیں

دورِ جاہلیت میں مکہ، مدینہ اور طائف سمیت تمام عرب میں فرسودہ اور ظالمانہ قسم کی تجارتی شکلیں رائج تھیں، جس سے امیر طبقہ کو فائدہ ہوتا تھا اور غریب کو ہمیشہ خسارہ ہوتا تھا۔ اسلام نے ان تمام یک طرفہ تجارتی شکلوں کو ممنوع اور حرام قرار دے دیا۔ اِن شکلوں کے علاوہ عرب میں سود پر مبنی نظام کی مختلف شکلیں موجود تھیں۔ جن کا بنیادی مقصد غریب کا استحصال اور معاشی ناانصافی اور غلامی۔ رسول اللہ ﷺ نے آکر سود اور ظلم پر مبنی استحصالی سرمایہ دارانہ نظام کا خاتمہ کر دیا۔

دورِ جاہلیت میں رائج سکے

دورِ جاہلیت میں مختلف قسم کے سکے رائج تھے۔ جس کا ذکر احادیث کی کتابوں میں بھی ملتا ہے۔

دینار دینار کا سکہ عرب کے علاوہ دنیا کے کئی دیگر اقوام میں بھی رائج تھا۔ یہ سکہ سونے کا بنا ہوتا تھا۔

درہم درہم دوسرا عام سکہ تھا۔ یہ سکہ چاندی کا بنا ہوتا تھا۔ اِن کے مختلف اوزان تھے جیسے 10 قیراط، 12 قیراط اور 20 قیراط وغیرہ۔

---

1 میاں، سید محمد، **محمد رسول اللہ**، لاہور، جمیعت پبلیکیشنز، 1436ھ، ص 323۔

2 غفاری، **نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی**، ص 112۔

دورِ جاہلیت میں رائج اَوزان

دورِ جاہلیت میں عربوں کے ہاں مندرجہ ذیل مختلف اَوزان استعمال ہوا کرتے تھے۔

دینار یہ سونے کو وزن کرنے کے لئے استعمال ہوتا تھا۔

درہم یہ چاندی کو وزن کرنے کے لئے استعمال ہوتا تھا۔

شعیر یہ درہم کے 60 / 1 کے برابر تھا۔

اوقیہ یہ 40 درہم کے برابر ہوتا تھا۔

نواۃ یہ 5 درہم کے برابر تھا۔

مثقال یہ 22 قیراط کے برابر ہوتا تھا۔

رطل 12 اوقیہ کے برابر تھا۔

دورِ جاہلیت کے مشہور تجارتی بازار اور میلے

دورِ جاہلیت میں جزیرۂ عرب میں مختلف مقامات پر مختلف بڑے تجارتی میلے لگتے تھے۔بقول یعقوبی عرب کے ہاں درج ذیل دس تجارتی بازار / میلے لگتے تھے، جس میں لوگ تجارت کے لئے اکھٹے ہوتے تھے(1)۔

دومۃ الجندل یہ علاقہ شام، حجاز، اور عراق کے درمیان ہے۔اِس مقام پر تجارتی میلہ یکم ربیع الاول تا پندرہ ربیع الاول ہوا کرتا تھا۔

مشقر یہ حضرموت کا علاقہ ہے، یہاں پر تجارتی میلہ جمادی الاولیٰ کے مہینہ میں لگتا تھا۔

صحار یہ بھی حضرموت کا علاقہ ہے، یہاں پر میلہ رجب کے مہینہ میں لگتا تھا۔

دبا یہ مشہور میلہ رجب کے اواخر میں لگتا تھا۔

---

1 یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب، **تاریخ الیعقوبی**، بیروت، دار الجیل، ج1 ص105۔

شحر یہاں پر موجود پہاڑ پر قبر حضرت ہودؑ سے منسوب ہے، یہاں پر تجارتی میلہ وسط، شعبان میں لگتا تھا۔

صنعاء یہ یمن کا علاقہ ہے، یہاں پر تجارتی میلہ رمضان کے مہینہ میں لگتا تھا۔

ربیعہ حضرِ موت کا یہ میلہ ذوالحجہ کے مہینہ میں لگتا تھا۔

عکاظ یہ عرفات کے میدان میں واقع ہے، یہاں پر مشہور میلہ ایام حج میں لگتا تھا۔

ذوالمجاز یہ بھی مکہ کے پاس کا علاقہ ہے، جس میں میلہ حجاج کرام کی آمد کے دنوں میں لگتا تھا۔

یمامہ کا تجارتی میلہ ہر سال 10 محرم کو منعقد ہوتا تھا۔

ریاستِ مدینہ کا قیام اوراس کے معاشی اَساسیات

ریاستِ مدینہ کا قیام نبی کریم ﷺ کی ہجرت کے ساتھ ہی وجود میں آگیا۔ آپ ﷺ نے سب سے پہلے ریاستِ مدینہ کے لئے "میثاقِ مدینہ" کی صورت میں آئین اور دستور مرتب فرمایااوریوں ایک مستحکم ریاست کی بنیادرکھ دی گئی۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد مدینہ منورہ میں دس سال زندگی کے گزارے۔ رسول اللہ ﷺ نے ریاستِ مدینہ میں دس سال کے اندر معاشی نظام کی جو اَساس رکھی اُن تمام معاشی سرگرمیوں کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

میثاقِ مدینہ کا دستور

حضور بنی کریم ﷺ نے جب مدینہ منورہ ہجرت کی تو آپ ﷺ نے سب سے پہلے مدینے کے رہنے والے قبائل کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جس کو "میثاقِ مدینہ" کہا جاتا ہے۔ "میثاقِ مدینہ" ایک ایسا جامع دستور تھا جس میں سیاسی، معاشرتی، عمرانی، معاشی اور مذہبی تمام حقوق کو ذکر کیا گیا تھا۔ ذیل میں "میثاقِ مدینہ" کے معاشی پہلو پیش ہیں۔

میثاقِ مدینہ کے معاشی پہلو

حضور نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے فوراً بعد سب سے اولین کام یہ کیا کہ آپ ﷺ نے مدینہ کے قبائل کے ساتھ ایک معاہدہ لکھا جس کی تقریباً 52 دفعات تھیں۔ مؤرخین نے اِس معاہدہ کو نقل کیا ہے۔ بقول ابن ہشام رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین و انصار اور مدینہ کے یہودیوں کے درمیان ایک معاہدہ لکھوایا۔ جس میں آپ ﷺ نے عوام اور حکمران کے دین اور مال (دنیا) سے متعلق شرائط (حقوق) اور ذمہ داریوں کا تفصیلاً تعین کیا[1]

میثاق مدینہ کی معاشی دفعات

1- مہاجرین قریش کے بجائے خود ایک جماعت ہے، اِس لئے مہاجرین اپنے مجرمین کی طرف سے خون بہا اور قیدیوں کی آزادی کے لئے فدیہ کے خود ہی ذمہ دار ہوں گے۔

2- مسلمان اپنے غریب بھائیوں کی مدد کریں گے، اگر کسی پر جرم کی صورت میں واجب ہو جائے یا اُس کو قیدی ہونے کی صورت میں آزادی کے لئے فدیہ کی ضرورت پڑے، تو دوسرے مسلمان باہمی ہمدردی کی بنیاد پر اُس کی مدد کریں گے۔

3- مسلمانوں میں سے جو لوگ جہاد میں شہید ہو جائیں، اُن کے لواحقین کی کفالت کی ذمہ داری دیگر مسلمانوں یعنی دوسرے الفاظ میں نظامِ حکومت پر عائد ہو گی۔

4- بنی عوف، بنی حارث، بنی ساعدہ، بنی نجار، بنی عمرو اور بنی اوس کے قبائل اپنے خون بہا اور فدیہ کے خود ذمہ دار ہوں گے۔

5- مسلمان اگر حالتِ جنگ میں ہوں تو مدینہ کے یہودی قبائل پر لازم ہو گا کہ وہ مسلمانوں کی مدد کریں۔

6- مسلمان اور یہود جنگ کے اخراجات اکٹھے برداشت کریں گے جب دونوں حالتِ جنگ میں ہوں۔

---

1 ابن ہشام، عبد الملک بن ہشام، **سیرت ابن ہشام**، بیروت، دار الجیل، 1411ھ، ج3 ص31۔

میثاقِ مدینہ کے معاشی نتائج و ثمرات

میثاقِ مدینہ ایسا معاہدہ تھا جس میں مسلمانوں کو بحیثیت ایک منظم جماعت کے تسلیم کر کے اُن کے تمام جائز انسانی حقوق کو تحفظ دیا گیا، جس کی وجہ سے انصار اور بالخصوص مہاجرین کو بڑی حد تک معاشی تحفظ اور خود کفالت میسر ہوئی۔

1- اِس معاہدے کی رو سے مہاجرینِ مکہ کے لئے انصار کے ساتھ معاشی تعلقات استوار کرنے کے مواقع پیدا ہوئے اور اِس کو ایک قانونی شکل ملی۔

2- مسلمانوں کی جماعت کے مدینہ کے یہود اور دیگر قبائل کے ساتھ معاشی تعلقات طے پا گئے۔ مسلمانوں کے لئے دیگر قبائل کے ساتھ تجارت اور تبادلہ اشیاء آسان ہو گیا۔

3- اِس میثاق کی وجہ سے مدینہ ایک امن کا معاشرہ بن گیا اور جنگ کی کیفیت ختم ہو گئی اور یوں معاشی ترقی و خوشحالی کا ذریعہ بن گیا۔

4- مدینہ کے تمام قبائل کے اتحاد اور باہر کے دشمنوں کے مسلط کردہ حملوں اور جنگوں کا مل کر مقابلہ کرنا اور تمام قبائل کا مل کر جنگی اور دفاعی اخراجات برداشت کرنا نبی کریم ﷺ کی معاشی بصیرت کی دلیل ہے۔

ریاستِ مدینہ میں پہلے اِسلامی تجارتی مرکز کا قیام

ہجرت کے وقت مدینہ منورہ میں تین قسم کے لوگ آباد تھے۔ مدینہ چونکہ باغات کی وجہ سے مشہور تھا اِس لئے وہاں پر کسان اور کاشت کار طبقہ کی بڑی تعداد موجود تھی۔ یہ لوگ کھجور، انگور کے باغات کے ساتھ ساتھ دیگر اناج اور سبزیاں بھی کاشت کرتے تھے اور اِس طرح اپنی گزر اوقات کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں دوسرا بڑا طبقہ تاجروں کا تھا، یہاں کے مشہور بازار "قینقاع" وغیرہ میں سونا، چاندی، جواہرات، عطر، مختلف قسم کے ملبوسات وغیرہ کی تجارت ہوتی تھی۔ اِس تجارت پر یہودیوں کا قبضہ تھا اور یہ لوگ مصنوعی قلت کے ذریعے استحصال کرتے تھے۔ مدینہ کی معیشت پر

قابض تیسرا اہم طبقہ سرمایہ داروں کا تھا۔اِس طبقہ کا اہم کاروبار سودی کاروبار تھا۔جس کے ذریعے انہوں نے کسانوں اور دیگر کمزور طبقات کو غلام بنا رکھا تھا اور اِن کا استحصال کیا کرتے تھے۔یہ اپنے آپ کو اہلِ کتاب (یہودی) کہتے تھے۔معیشت کے اِس طبقاتی اوراستحصالی نظام نے لوگوں کو فقر اور افلاس میں جکڑ رکھا تھا۔ آپ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ کا اولین مقابلہ اِن استحصالی قوتوں کے ساتھ تھا۔

چنانچہ "میثاقِ مدینہ" کے بعد مسلمانوں کو معاشی سرگرمیاں شروع کرنے کے مواقع ملے۔ مدینہ منورہ کے تمام بازاروں اور تجارتی مراکز پر یہودیوں کا تسلط تھا۔یہاں پر تمام کاروبار سود اور دیگر حرام اُصولوں پر چلتا تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں کی وہاں پر شرکت مشکل تھی۔نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ تجارتی مرکز اور بازار کا قیام فرمایا۔جس میں تمام کاروبار اسلام کے شرعی اور عادلانہ اُصولوں پر مبنی ہوتا تھا۔اِس بازار کا محلِّ وقوع بقیع کے قریب تھا۔[1]

نبی کریم ﷺ کی معاشی سرگرمیاں

مدینہ میں آپ ﷺ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے پاس تقریباً 7 ماہ تک قیام پذیر رہے۔اِس دوران آپ ﷺ نے اپنے لئے معاش کا بندوبست کر لیا۔ آپ ﷺ نے چند بکریاں خریدیں اور اِسی کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے ذاتی اونٹ اور گھوڑے بھی رکھ لیے اور یوں اِن جانوروں کی تعداد بڑھنے لگی جس پر آپ ﷺ کا گزر بسر ہونے لگا۔ہدایا اور مالِ غنیمت سے بھی مال آنے لگا اور اِس طرح آپ ﷺ دیگر لوگوں پر بوجھ بننے کی بجائے خود کفیل ہونے لگے۔

ریاستِ مدینہ کا معاشی تکافل عقدِ مواخاۃ کی صورت میں

حضور نبی کریم ﷺ نے ہجرتِ مدینہ کے بعد 1ھ میں مدینہ کے انصار اور مہاجرین کے درمیان ایک عقد کروایا۔جس کو "عقدِ مواخاۃ" کہتے ہیں۔تمام مؤرخین نے اِس کا ذکر کیا ہے۔بقول

1 غفاری، نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی، ص194۔

ابن قیم رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر میں بھائی بھائی بنایا اور یہ لوگ 90 تھے، جن میں آدھے مہاجر تھے اور آدھے انصار تھے، اور یہ بھائی چارہ کا معاہدہ تھا[1]۔

اِس عقد کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں بیان کیا ہے: {إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ}[2] (جو لوگ ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کر گئے اور خدا کی راہ میں اپنے مال اور جان سے لڑے وہ اور جنہوں نے (ہجرت کرنے والوں کو) جگہ دی اور ان کی مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔)

آپ ﷺ نے اِس معاہدہ کے تحت انصار اور مہاجرین کو بھائی بھائی بنا دیا، اور یوں انصار صحابہ نے بے یار و مددگار مہاجرین کو اپنے معاشی وسائل میں حصہ دار بنا دیا۔ اِس سے یہ سبق ملتا ہے کہ بوقتِ ضرورت مالداروں کے معاشی وسائل کو مشترک ذرائع معاش قرار دیا جا سکتا ہے۔

یہ ایک وقتی بندھن تھا۔ انصار صحابہ کرامؓ نے اپنی تجارت، زمین، باغات، گھر بار اور حتیٰ کہ بعض انصار نے دو بیویوں میں سے ایک بیوی کی بھی پیش کش کر کے سب کچھ مہاجرین کے سامنے پیش کر دیا۔ یہ انصار کا اخلاص، ایثار اور نبی کریم ﷺ کی تربیت کا نتیجہ تھا۔ دوسری طرف مہاجرین صحابہ بھی خودداری اور اخلاص کے پہاڑ تھے۔ مہاجرین نے انصار کو کہا کہ ہمیں بازار کا راستہ دکھائیں۔ اگلے دِن سے مہاجرین نے تجارتی سرگرمیاں شروع کر کے قلیل مدت میں اپنے آپ کو خود کفیل بنا لیا۔

---

1 ابن قیم، محمد بن ابی بکر، **زاد لمعاد**، کویت، مکتبۃ المنار الاسلامیۃ، 1415ھ، ج 3 ص 56۔

2 سورۃ الأنفال: 72۔

ریاستِ مدینہ کے بیت المال / سرکاری خزانے کا قیام

ہجرتِ مدینہ کے بعد نبی کریم ﷺ نے سب سے پہلے "میثاقِ مدینہ" کی بنیاد پر ایک ریاست قائم کی ۔جب ریاست وجود میں آ گئی تو اُس معاشرے کے بینادی تین ستون "(1)دستور یا آئین(2)سیاست اور(3)معیشت" بھی وجود میں آ گئے،جو کہ کسی بھی معاشرے کی ترقی کے لئے بہت ضروری ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ اُس ریاست کے امیر تھے۔ آپ ﷺ نے اُس فلاحی ریاست / ریاستِ مدینہ کے معاشی نظام کو چلانے کے لئے "بیت المال"کا ایک ادارہ قائم کیا۔ جس میں آمدنی اور خرچ تمام اسباب وذرائع کا خیال رکھا جاتا تھا۔بیت المال کسی عمارت یا بلڈنگ کا نام نہیں بلکہ اُس پورے نظام یا اُصولوں اور ضابطہ کار کو کہتے ہیں جس پر معاشی اور مالیاتی نظام چلتا ہے۔ بعض مؤرخین کے ہاں آپ ﷺ کے دورِ مبارک میں بیت المال کی باقاعدہ کوئی عمارت نہیں تھی چونکہ آمدنی کے ذرائع محدود تھے۔ جو کچھ بھی اجتماعی مال کی صورت میں آپ ﷺ کے پاس آتا۔ آپ ﷺ موقع پر مستحقین کے درمیان تقسیم فرماتے۔بقول علامہ ذہبیؒ زمانہ جاہلیت کے عرب سرکاری خزانہ(بیت المال)کے نام سے متعارف نہیں تھے۔ نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں بیت المال کی عمارت کا وجود نہیں تھا۔اِس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اسلامی ریاست کا آغاز ابھی ہی ہوا تھا،وسائلِ معیشت کم تھے اور آمدنی نہایت قلیل تھی۔ آپ ﷺ کے پاس جو مال آتا فوراً تقسیم فرماتے، یہاں تک کہ صبح کے وقت اگر مال آتا تو دوپہر نہ ڈھلنے دیتے اور شام کو مال آتا، تو رات نہ بیتنے دیتے[1]۔

دوسری طرف یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتنی بڑی سلطنت کے بیت المال کی کوئی عمارت نہیں تھی تو اتنے وسیع مالیاتی نظام کو کیسے منظم کرتے اور کیسے چلاتے ؟اس سلسلے میں ڈاکٹر حمید اللہؒ نے تحقیق کرکے اِس بات کو ثابت کیا ہے کہ مسجدِ نبوی کے ساتھ متصل ایک کمرہ تھا،اس کمرہ میں سرکاری اموال اور اجناس رکھے جاتے تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری لگا دی گئی تھی کہ وہ اِس کمرہ کی

1 دیکھیے: الذھبی، شمس الدین ابی عبد اللہ، **کتاب دول الاسلام فی التاریخ**، حیدرآباد، ھند، دائرۃ المعارف، 1337ھ، ج1ص8۔

نگرانی کریں۔ اِس سے معلوم ہوا کہ یہ پہلا بیت المال تھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اُس ریاست کے پہلے وزیرِ مال تھے۔(1)

ریاستِ مدینہ کے بیت المال / سرکاری خزانے کے ذرائع آمدنی

ریاستِ مدینہ کے بیت المال کی آمدنی کے ذرائع مندرجہ ذیل تھے۔

زکوۃ عُشر خراج جزیہ مالِ غنیمت

مالِ فیئ صدقاتِ نافلہ اور ہنگامی چندے قرضِ حسنہ اَوقاف

تحفے اور ہدایا لگان / اجارہ

عاملین بیت المال کا تقرر

کسی بھی حکومت کے معاشی ومالی نظام کو چلانے کے لئے ماہرینِ معیشت کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اول تو رسول اللہ ﷺ بذاتِ خود بہت بڑے ماہرِ معیشت تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے ساتھ ایک جماعت بھی تیار کی جو ریاستِ مدینہ کے معاشی وبیت المال کے نظام کو چلاتے تھے۔ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں عاملین کا ذکر کیا۔

حضور نبی کریم ﷺ نے اِس پورے مالی نظام کو چلانے کے لئے عاملین اور مالی اَفسروں کا تقرر کیا۔ ان عاملین کا بنیادی کام زکوۃ، صدقات اور دیگر بیت المال کے آمدنی کے ذرائع کو وصول کرنا، کنٹرول کرنا اور تقسیم کرنا تھا۔ اِن کی باقاعدہ تنخواہ مقرر ہوتی تھی۔ اِن عاملین میں اکثریتی ذمہ داران قبائل کی سطح پر وصولی کرتے تھے اور پھر مرکزی عاملین کے حوالے کرتے تھے۔

منفی معاشی سرگرمیوں کی ممانعت / "سُود" کی حرمت اور ممانعت

حضور نبی کریم ﷺ نے رستِ مدینہ کے معاشی نظام میں ہر استحصالی اور منفی معاشی سرگرمی کو ممنوع اور حرام قرار دیا جن میں سرِ فہرست "سُود" کی ممانعت تھی۔ سُود خواہ کسی غریب ومسکین سے لیا جائے یا کسی سرمایہ دار وامیر سے لیا جائے، حرام و منع ہے۔ یہ ایک ایسی لعنت ہے جس سے معاشرے میں نہ صرف معاشی استحصال، مفت خوری، خود غرضی، حرص، لالچ و طمع، شقاوت وسخت دِلّی، سرمایہ پرستی، مفاد پرستی، زر پرستی اور کنجوسی و بخل جیسے بُرے اخلاق پیدا ہوتے ہیں، اِس کی

1 ڈاکٹر، حمید اللہ، **خطباتِ بہاولپور**، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، 2007ء، ص 183۔

وجہ سے معاشی اور اقتصادی تباہ کاریاں پیدا ہوتی ہیں اس لیے دین اسلام سُود کو کسی صورت میں برداشت نہیں کرتا۔ قرآن مجید نے نہ صرف اِسے قطعی حرام قرار دیا ہے بلکہ اِسے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ جیسا حرام و ممنوع عمل قرار دیا ہے۔ سُود کی تاریخ بھی بہت پرانی ہے۔ جاہلیت کے دور کا اگر مطالعہ کیا جائے تو عرب کے معاشرے میں سُود کو صرف قرض اور دَین تک ہی محدود سمجھتے تھے، تجارت اور بیع میں سُود کو جائز سمجھتے تھے۔ عرب کے ہاں مختلف قسم کے سودی لین دین ہوا کرتے تھے۔